QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

مسلم سیاسی فکر: قدیم وجدید مفکرین کی آراء پر ایک نظر

Muslim Political Thought: A Survey of Classical and Modern Thinkers

**Dr. Syed Zakir Shah*
Assistant Professor, Government National College No.1, Karachi, Pakistan.
***Dr. Syed Asim Ali*
Assistant Professor, Islamia Arts and Commerce College No.1, Karachi, Pakistan.

Abstract

This paper presents a critical and analytical overview of the evolution of Islamic political thought, tracing its trajectory from the era of the Rightly Guided Caliphate to the perspectives of contemporary Muslim thinkers. It analyzes the historical formulation and practical implementation of core Islamic political principles such as justice, shūrā (consultation), bay'ah (pledge of allegiance), and accountability. Special attention is given to the contributions of influential scholars like Al-Farabi (872–950 CE), Al-Mawardi (972–1058 CE), Al-Ghazali (1058–1111 CE), Ibn Khaldun (1332–1406 CE), Shah Waliullah Dehlawi (1703–1762), Dr. M Iqbal (1877-1938), Syed Abul A'la Maududi (1903–1979),Sayyid Qutb (1906–1966) and Dr. Israr Ahmad, who have attempted to reinterpret the concept of an Islamic state in the modern context. The core principles of Islamic governance, including shura, ijtihad, justice, and equality, remain relevant today, providing valuable insights into the complexities of Islamic politics and governance. Understanding the historical development of Muslim political thought is essential for comprehending its relevance in contemporary times and its potential to shape the future of Muslim societies. The paper highlights both continuity and change within Islamic political thought and offers a framework for contemporary Muslim states to draw intellectual guidance from Islamic tradition.

Key words: *Khilafat e rashida, Shura, Islamic Governance, Muslim political thoughts, Ijtehad,*

تعارف:

مسلم سیاسی فکر کا آغاز خلافت راشدہ کے سنہری دور سے ہوتا ہے اور یہ مختلف تاریخی مراحل سے گزرتی ہوئی عصر حاضر تک پہنچتی ہے۔اس فکری تسلسل میں خلافت سے ملوکیت کی جانب منتقلی اور اس کے اثرات واضح ہوتے ہیں۔تاہم عدل، شوریٰ، بیعت اور احتساب جیسے اصول مسلسل مرکزی حیثیت کے حامل رہے ہیں۔اس مقالے میں کلاسیکی اور جدید نظریات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے تاکہ اسلامی سیاسی فکر کی فکری تشکیل کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ دور قدیم کے سیاسی ،معاشی اور معاشرتی حالات و کوائف اور آج کے حالات و کوائف کے درمیان کافی کچھ فرق آچکا ہے،وہ مسلمانوں کے عروج کا

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

دور تھا،اور آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، تمام مسلم اقوام زوال وانحطاط سے دوچار ہیں۔ لہٰذا مسلم مفکرین کی آراء میں بھی اس فرق کی عکاسی عام بات ہے۔

سیاسی فکر کیا ہے؟

فکر سے مراد کسی معاملے میں دو معلوم حقائق سے مستنبط کوئی تیسرا خیال یا نتیجہ ہے۔ سیاسی فکر تمام افکار میں اعلیٰ ترین فکر ہے، کیونکہ یہ معاشرے کے امور کی دیکھ بھال اور ان کی تنظیم سے متعلق ہے جس کے نتیجے میں امن وسکون کی فضا قائم ہوتی ہے اور پیش آمدہ مسائل کا حل نکالا جاتا ہے۔

اسلامی سیاسی فکر

سیاسی فکر ایک جُز کے طور پر بروئے کار نہیں آسکتی۔ اس کا لازمی تعلق کسی نہ کسی تہذیب سے ضرور ہوا کرتا ہے۔ اسلامی سیاسی فکر اسلامی تہذیب کے بطن میں جنم لیتی ہے اور اس کے بنیادی عقائد سے اپنے اصول اخذ کرتی ہے۔ اسلامی سیاسی فکر وفلسفہ دیگر تمام سیاسی افکار کی مانند مندرجہ ذیل نکات کا احاطہ کرتا ہے۔

1۔ اقتدارِ اعلیٰ کا مالک کون ہے؟

2۔ امیر ومامور کے حقوق وفرائض کیا ہیں؟

3۔ نظامِ سلطنت خلافت، بادشاہت/آمریت، جمہوریت میں سے کیا ہوگا؟ طریقۂ نصب وعزل کیا ہوگا؟

4۔ قانون سازی کے اختیارات کسے حاصل ہوں گے؟

5۔ بین الاقوامی قوانین کیسے بروئے کار لائے جائیں گے؟

اس میں پہلے سوال کا جواب، اللہ تعالیٰ کے اقتدارِ اعلیٰ کے حوالے سے قطعی اور ناقابل بحث ہے۔ جب کہ پانچواں سوال ریاست کے ارتقاء کے ساتھ موجودہ دور میں سامنے آیا ہے جس کا قدیم مفکرین کے ہاں باقاعدہ ذکر موجود نہیں۔

قدیم مسلم مفکّرینِ سیاست کا عہد

خلفائے راشدین میں سے پہلے دو خلفاء کا تعلق سیدنا ابوبکر کا بنو تیم سے اور سیدنا عمرِ فاروق کا بنی عدی سے تھا۔ ان دونوں کا دورِ حکومت، خلافتِ راشدہ کا سنہری دور تھا۔ تیسرے خلیفہ ءراشد سیدنا عثمان بن عفان کا تعلق بنو امیہ سے تھا،اور چوتھے خلیفہ ءراشد سیدنا علی بن ابی طالب بنو ہاشم میں سے تھے۔ خلافتِ راشدہ کا مبارک دور نبی کریم ﷺ کے بعد تیس برس تک رہا۔1

ا۔ خلافت راشدہ کا دور اور اس کے اصول:

خلافت راشدہ (632–661ء) کو مثالی اسلامی طرز حکومت کا نمونہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی خصوصیات حسبِ ذیل تھیں:

- شوریٰ ایک فعال ادارہ تھی جو مشاورت پر مبنی فیصلوں میں کردار ادا کرتی تھی۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

- حکمران عوام کے سامنے جوابدہ تھے اور بیت المال کو دیانت داری سے عوام کی امانت سمجھ کر چلایا جاتا تھا۔
- خلیفہ کے انتخاب کے لیے آزادانہ بیعت واحد جائز ذریعہ تھی۔
- عدل اور احتساب کو ریاستی سطح پر نافذ کیا جاتا تھا۔2

۲۔ملوکیت کا آغاز: خلافت اُمویہ و عباسیہ:

اُموی دور (661–750ء) میں خلافت موروثی بادشاہت میں تبدیل ہو گئی جس کا حوالہ ہمیں حدیث مندرجہ بالا میں ملتا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد تقریباً نوئے سال تک بنو امیہ نے دمشق سے تمام عالم اسلام پر حکومت کی۔ سینکڑوں برس اندلس میں بھی بنوامیہ نے شاندار حکومت کی۔ پھر خاندانِ بنو عبّاس کی خلافت پانچ سو برس کے عرصے سے زیادہ پر محیط رہی۔3

اس دور کی خصوصیات جو خلافت سے ملوکیت کے سفر کو واضح کرتی ہیں یہ تھیں:

- شوریٰ ایک رسمی ادارہ بن گئی۔ عمالِ حکومت کے احتساب کا تصور نہ رہا اور خلافت ایک علامتی حیثیت اختیار کر گئی۔
- سیاسی اختلاف کو دبایا گیا (واقعہ حرّہ و کربلا کا سانحہ)۔
- بیت المال کے امانت ہونے کا تصور ضایع ہو گیا۔
- انتخابی/شورائی خلافت ایک موروثی چیز بن گئی۔ عوام کی رائے کی اس میں قطعاً کوئی اہمیت نہ رہی۔

بنی امیہ کے جانشین بنو عباس ہوئے۔ یہ بھی ملوکیت کی توسیع تھی فقط حکمراں خاندان تبدیل ہوا تھا باقی معاملات ویسے ہی چلتے رہے۔ یہ دور فکری وسعت کا ہے۔

جب خلافت راشدّہ ملوکیت میں تبدیل ہونا شروع ہوئی تو بعد کے خلفاء نے اپنے مفاد، اپنی سیاست اور خصوصا اپنی حکومت کے قیام و بقا کی خاطر شریعت کی عائد کی ہوئی کسی پابندی کو توڑ ڈالنے اور شریعت کی لگائی گئی کسی حد کو پار کرنے میں زرہ برابر تامل نہ کیا۔ اگرچہ ان کے عہد میں بھی مملکت کا قانون اسلامی ہی رہا۔ کتاب اللہ و سنّتِ رسول اللہ ﷺ کی آئینی حیثیت کا ان میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ عدلیہ کے فیصلوں کا معیار قرآن و سنّت ہی رہا۔ عدالتیں اسی قانون کے مطابق سارے معاملات دیکھتیں۔ مگر بات یہ تھی کہ ان خلفاء کی سیاست و حکمرانی دین کے تابع نہ رہی۔ یہ تھے وہ حالات کہ مسلمانوں کو دنیا میں شان و شوکت تو حاصل تھی مگر مسلمانوں کے کثر خلفاء و سلاطین حلال و حرام کی تمیز روا نہ رکھتے تھے۔4

خلافتِ راشدہ کے بعد سے اس بات کی ضرورت پیدا ہوئی تھی کہ ٹھیٹھ اسلامی فکر اور بادشاہت میں کسی طرح تطبیق کی جائے۔ حکمرانوں کی غلط روی کے بالمقابل صحیح اسلامی طرزِ عمل واضح کیا جائے۔ ابتداً تو معاملہ یہ تھا کہ اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم اور ان کے تربیت یافتہ افراد کثرت میں تھے لہٰذا غلط اور صحیح کی تمیز عام تھی لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ایسا نہ رہا اور ملوکیت کے استبداد اور کج روی کے بالمقابل صحیح اور غلط کی تمیز واضح کرنے کی ضرورت بڑھتی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ بنوامیہ کے دور

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

میں ہمیں اصلاح کی فکری کاوشوں کے بجائے اصلاحِ احوال کی عملی کوششیں نظر آتی ہیں ۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر اور سیدنا حسین کے خروج کے واقعات اس کے شاہد ہیں۔

جبکہ اس کے بالمقابل عباسی دور (750–1258ء) میں ہمیں اصلاح کی فکری کاوشوں کا زور نظر آتا ہے جس کا بنیادی سبب ملوکیت کے ادارے کا شدید جبر اور عملی اقدام کے لیے درکار مواقع کی قلت تھی۔ چنانچہ اس دور میں :

- معتزلہ، اشاعرہ اور فقہی مکاتب فکر نے فکری وسعت پیدا کی۔
- اگرچہ سیاسی طاقت زوال پذیر تھی، مگر بغداد اور نیشاپور جیسے علمی مراکز نے اسلامی فکر کو فروغ دیا۔

وسعتِ رقبہ اور اقتدار کے لحاظ سے بنو عبّاس کی حکومت بنوامیہ کی حکومت سے کم تر تھی۔ خلیفہ منصور ہی کے دورِ حکومت میں ہسپانیہ مرکز سے علیحدہ ہو گیا۔ ہارونی عہد میں مغرب میں ادریسی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ ماموني عہد میں ظاہری، خرسان میں اور یمن میں زیادی حکومتیں وجود میں آئیں۔ نیز بہت سے عبّاسی صوبوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ان آزاد اور خود مختار حکومتوں سے نظامِ خلافت اور اسلامی اتحاد واتّفاق کو سخت نقصان پہنچا۔ مگر حاکمیت اسلام کی ہی رہی۔ سیاسی وثقافتی غلبہ مسلمانوں کو ہی حاصل رہا۔ ان سب کچھ کے علی الرغم اس نقصان کا ازالہ اس طرح ہوا کہ ایک بغداد کے بجائے بے شمار بغداد ایسے شہر وجود میں آئے جہاں علماء وفضلاء کی ایک کثیر تعداد موجود رہتی تھی۔ اور اسلامی علوم وفنون کی نشر واشاعت کا باعث بنتی رہی۔ ان دارالسطنتوں کی حیثیت علمی اعتبار سے مراکز کی سی رہی۔ اس کی واضح مثال ہمدانی دربار کی ہے۔ ہمدانی دربار اپنے تمام ہم عصروں سے علم وفضل اور علم دوستی میں آگے تھا۔ اگرچہ ملک کی حدودِ اربعہ کے لحاظ سے دوسری حکومتیں اس سے بڑھ کر تھیں۔ لیکن ہمدان کے پوتے سیف الدولہ کے دربار میں اس وقت کے مشہور شاعر متنبیٰ، ابوالفرج اصفہانی جیسا ادیب اور ابو نصر الفارابی جیسا فلسفی موجود تھا۔ 5

کلاسیکی مسلم مفکرین کے افکار:

مسلم سیاسی فکر کے حوالے سے یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اسلامی سیاسی فکر جامع اور محکم اصولوں کی بنیاد پر قائم ہے جن میں تغیر و تبدل روا نہیں۔ ان اصولوں پر جب تک عمل ہوتا رہا ہمیں مسلم مفکرین کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ دور نبوت اور خلافت راشدہ کا دور اس کی مثال ہیں۔ نبی کریم ﷺ خود شارع تھے۔ آپؐ کے بعد خلافت راشدہ آپؐ کی کامل اتباع کی بنیاد پر یکسو رہی۔ بتقضائے بشریت خرابیاں ہوئیں لیکن ان کی اصلاح کی کوششیں بھی موثر طور پر ہوتی رہیں۔

خلافت کی ملوکیت میں تبدیلی کے ساتھ ہی اب حکمرانوں کی جانب سے دینی نصوص میں من مانی تبدیلیاں کی جانیں لگیں۔ عامۃ الناس کے لیے تو ابھی بھی قانونِ شریعت ہی ان کے معاملات کا فیصلہ کرنے کی بنیاد تھا لیکن حکمران اور ان کے حواری خود کو قانون واحتساب سے عمومی طور پر بالاتر تصور کرنے لگے تھے۔ اسلامی غیرت کیونکہ طاقت ور تھی لہٰذا ان کو روکنے اور ٹوکنے والے افراد عام طور پر پائے جاتے تھے لیکن ان کوششوں کا نتیجہ مصلحین پر سختی و تشدد اور معاشرے میں انتشار کی صورت میں ہی

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

برآمد ہوا۔ امت خروج اور احتساب کی ان ناکام کوششوں کے نتائج سے خرابی کو اور زیادہ بڑھتا دیکھ رہی تھی۔ ان ادوار میں مخلصین امت نے اس بات کی کوشش کی کہ حکمرانوں کے سامنے اسلامی نصب العین پیش کیا جائے، انہیں ان کے اقتدار کی ضمانت دے کران سے عوام الناس کی بھلائی کے کام لیے جائیں اور اسلام کی شوکت کو باقی رکھا جائے۔ اس لحاظ سے یہ بات واضح ہے کہ ان مفکرین کی آراء بذاتِ خود حُجَّت نہیں ہیں بلکہ انہیں ان کے اپنے حالات میں کام کرنے اور آگے بڑھنے کی ایک کوشش کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ اس لحاظ سے ان مفکرین کی آراء کی اہمیت عملی سے زیادہ تاریخی ہے۔ ہاں ان میں سے بعض (مثلاً غزالی، ابنِ تیمیہ، ابنِ خلدون وغیرہ) کے کام میں وہ دوامیت پائی جاتی ہے جس سے امت ہر دور میں مستفیض ہوتی ہے۔

ابونصر الفارابی (872-950): پہلا مسلم مفکر

فارابی پہلا مسلم فلسفی ہے جس نے اپنے سیاسی افکار مدّون کیے۔ فارابی ارسطو اور افلاطون کے فلسفے پر سند سمجھا جاتا ہے۔ مسلم دنیا میں یونانی فلسفے کی اشاعت الفارابی کا کارنامہ ہے۔ قدیم وجدید دونوں ادوار کے فضلاء یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ ارسطو فلسفے کا معلم اول اور فارابی معلم ثانی ہے۔[6]

سید مودودی دورِ ملوکیت میں مسلم معاشرے میں یونانی فلسفے کی اشاعت کے اثرات واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> " اس بادشاہی کے زیر سایہ امرا، حکام، وُلاۃ، اہل لشکر اور مترفین کی زِندگیوں میں کم وبیش خالص جاہلیّت کا نقطہ نظر پھیل گیا اور اس نے ان کے اخلاق اور معاشرت کو پوری طرح مائوف کردیا۔ پھر یہ بالکل ایک طبعی امر تھا کہ اس کے ساتھ ہی جاہلیّت کا فلسفہ، ادب اور ہنر بھی پھیلنا شروع ہو اور علوم وفنون بھی اسی طرز پر مرتب ومدون ہوں، کیوں کہ یہ سب چیزیں دولت اور حکومت کی سرپرستی چاہتی ہیں اور جہاں دولت اور حکومت جاہلیّت کے قبضہ میں ہوں وہاں ان پر بھی جاہلیّت کا تسلط ناگزیر ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یونان اور عجم کے فلسفے اور علوم وآداب نے اس سوسائٹی میں راہ پائی جو اِسلام کی طرف منسوب تھی اور اس لٹریچر کے اثر سے مسلمانوں میں ''کلامیات'' کی بحثیں شروع ہوئیں، اعتزال کا مسلک نکلا، زندقہ اور الحاد پر پرزے نکالنے لگا اور ''عقائد'' کی موشگافیوں نے نئے نئے فرقے پیدا کردیئے۔[7]

الفارابی نے افلاطون اور ارسطو کے افکار کو اسلامی تناظر میں ڈھال کر ایک ایسی ریاست کا تصور پیش کیا جہاں حکمران "فلسفی بادشاہ" ہو، جو عقل، اخلاق اور روحانی بصیرت کا حامل ہو۔ انہوں نے "المدینہ الفاضلہ" میں مثالی اسلامی ریاست کا خاکہ پیش کیا جس میں فلسفی بادشاہ (امام) علم وحکمت کی بنیاد پر حکومت کرتا ہے۔ وہ اپنی پیش کردہ مثالی ریاست کے حصول کے موانعات سے آگاہ تھا اور اس کے مقابلے میں مدینۃ الجاہلیۃ جو کہ پائی جانے والی ریاستوں کے اوصاف کی عکاسی کرتا ہے، اور مدینۃ التغلب جو جبریہ تسلط کا نتیجہ ہے، کا تصور پیش کرتا ہے۔ تاہم وہ حکمران کو محکوموں کے ساتھ عدل کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ فارابی کے نزدیک ریاست کا مقصد انسان کو "سعادتِ حقیقی (ultimate happiness) "تک پہنچانا ہے، جو صرف عقلی واخلاقی تربیت سے ممکن ہے۔ فارابی نے تعلیم اور اخلاقی تربیت کو ریاست کی بقا کے لیے لازم قرار دیا۔ وہ شہریوں کو ان کی فطری

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

صلاحیتوں کے مطابق طبقات میں تقسیم کرتے ہیں: حکمران، محافظ، اور پیداوار کنندگان۔اسی کے ساتھ وہ اگرچہ اشتراکیت کی نفی کرتے ہیں لیکن حکمران کے لیے محدود ملکیت کے قائل ہیں تاکہ وہ لالچ سے بچ کر عوام کی خدمت پر قائم رہ سکے۔8

الماوردی (972ء-1058ء)

> دریائے زاب کے کنارے بنی امیہ کے آخری فرمان روا مروان ثانی کی شکست نے عربی اقتدار کے خاتمہ کا پیغام سنایا۔ پھر ہارون الرشید کے بیٹوں کی باہمی کش مکش نے جس کا خاتمہ امین کے قتل سے ہوا، کم از کم مشرق میں عربوں کی بالادستی کو ختم کرکے رکھ دیا۔اقتدار کی گدی پر خراسانی اور ایرانی براجمان ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی کے تمام شعبوں پر بھی عجمی نظریات اور تصورات کا غلبہ ہو گیا۔اسلامی نظریاتِ سیاست بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ چنانچہ گیارھویں صدی عیسوی میں سیاسی مفکرین کی ایک بھاری اکثریت عجمی دستور کی حامی تھی تاہم ایک گروہ ایسا بھی تھا جو خالص عربی اور اسلامی طرز حکومت کی تجدید کے لیے کوشاں تھا۔اس موخر الذکر گروہ کا سربراہ ماوردی تھا۔9

الماوردی کی شہرہء آفاق کتاب "الاحکام السلطانیہ "اسلامی سیاسی نظام پر اہم ترین کتاب شمار ہوتی ہے اور ہزار سال گزرنے کے باوجود اس کی حیثیت اسلامی دستور کے اہم ترین مآخذ کی ہے۔10

الماوردی نے قرآن و حدیث کو اپنے افکار کی بنیاد بنایا اور بتایا کہ قرآن وحدیث ہدایت و راہنمائی کے سر چشمے ہیں۔صحابہ ء کرام،تابعین، تبع تابعین کو قابل تقلید مانا۔اسلامی ریاست کے قوانین کے لئے امامت کو بنیاد ٹھہرایا۔الماوردی نے "الاحکام السلطانیہ "میں خلافت کے شرعی اور عملی پہلوؤں کی وضاحت کی،اور امام کی صفات، بیعت، شوریٰ وعدل کے اصول بیان کیے۔ اسلامی ریاست کے ادارہ جاتی ڈھانچے کو مرتب کیا، جس میں خلیفہ، وزیر، قاضی، محتسب، اور بیت المال جیسے ادارے شامل ہیں۔ان کے مطابق خلافت کا قیام امت کی بیعت سے ہوتا ہے، اور خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ شریعت کا نفاذ، عدل، اور امن قائم رکھے۔انہوں نے "امامت" کو دینی وسیاسی قیادت کا مرکز قرار دیا اور اس کے لیے شرائط بھی بیان کیں (علم، عدل، جسمانی و عقلی صلاحیتیں وغیرہ)۔انہوں نے امام کے لئے نیک وصالح ہونے کی شرط رکھی،اس کے لئے عاقل ودانا ہونا اور اس کے لئے اصحاب حل وعقد کے اعتماد کا حاصل ہونا لازمی قرار دیا۔انہوں نے عوام اور حاکم کے باہمی تعلقات کو عقد سے تعبیر کیا۔انہوں نے امام کے لئے دس فرائض گنوائے۔اس کے علاوہ انہوں نے اسلامی ریاست کے اہم اداروں سپاہ وسپاہ سالار، وزارتِ قضاء، انتظامی امور کے محکمہ جات کے لیے شرائط اور فرائض تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔

الماوردی نہ صرف امام کے 7، بنیادی اوصاف گنواتا ہے بلکہ وہ رائے دہندگان کی اہلیت کا بھی ایک 4 نکاتی معیار مقرر کرتا ہے۔اسی طرح وہ طریقِ انتخاب کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ خلیفہ منتخب بھی ہو سکتا ہے اور اسے سابق خلیفہ نامزد بھی کر سکتا ہے۔ وہ اپنے دور کی تلخ سیاسی حقیقتوں سے آشنا تھا اور خلافت کے بلند اخلاقی تصور کے ساتھ ساتھ وہ ان چھوٹی چھوٹی خود مختار امارتوں کے وجود کو بھی نظرانداز نہیں کر سکتا تھا جو محض رسمی طور پر خلیفہ کی اطاعت گزار تھیں۔لہٰذا وہ ان کے جواز کو بامرِ مجبوری گوارا کر کے انہیں جواز کا فتویٰ دیتا ہے۔ایسی امارت کو وہ "امارتِ استیلاء" کہتا ہے 11

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

نظام الملک طوسی(1017ء۔1091ء): پہلا عملی سیاست دان و مفکر

آلِ سلجوق کے کارناموں کی ایک طویل فہرست کتب تواریخ کی زینت بنی ہوئی ہے۔ یہ تمام کامیابیاں ایک ہی شخص کی مرہون منت ہے جس نے اس خانوادے کے دو عظیم الشان بادشاہوں کے عہد میں وزارت کے فرائض انجام دیے اور تیس سال تک اسلامی مملکت میں اسی کا سکہ چلتا رہا۔ وہ شخص نظام الملک طوسی ہے۔

> نظام الملک ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے وہ اعلی مقام رکھتا ہے جہاں تک متقدمین اور متاخرین میں سے کوئی بھی نہ پہنچ سکا۔ اس کی عمر کا بیشتر حصہ سیاسی اور تنظیمی گتھیوں کے سلجھانے میں بسر ہوا۔ الپ ارسلان اور ملک شاہ جیسے نامور سلجوقی سلاطین کے زمانے میں کاروبارہ ملت کی انجام دہی کا بار نظام الملک ہی کے کاندھوں پر تھا۔ اس لیے وہ عملی سیاسیات میں میں قدر مہارت رکھتا تھا۔ دوسرے مفکرین کے حصے میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں آیا۔ دوسرے مفکرین کی حیثیت سیاست میں تماش بینوں سے زیادہ نہ تھی۔ جہاں تک تدبیر وسیاست کا تعلق ہے تقریباً تمام مفکرین اس سے غیر متعلق رہے، فارابی، سیف الدولہ کی حاشیہ نشینی سے آگے نہ بڑھ سکا۔ ماوردی نے ساری عمر فصل خصومات میں گذاری۔ غزالی، درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور سیر وسیاحت ہی میں مشغول رہے۔ متاخرین میں ان خلدون کتابت اور معلمی سے لے کر قضاء کے عہدوں کے درمیان چکر لگاتا رہا۔ جوڑ توڑ اور سازشوں کا البتہ اس کا تجربہ ہوا لیکن نظم ونسق، تدبیرِ سیاست سے بے بہرہ رہا۔ بر خلافت اس کے نظام الملک کاروبار مملکت کی انجام دہی میں محور رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حکومت کے تمام نشیب وفراز سے کماحقہ واقفیت رکھتا ہے۔ وہ سیاسیات کے متعلق جب لب کشائی کرتا ہے تو سنی سنائی نہیں کہتا ہے یا کوئی ایسی بات نہیں لکھتا ہو قابل عمل نہ ہو بلکہ سیاست نامہ جو اس کی عمر کے آخری سال لکھا گیا وہ اس کی تیس سالہ عملی سیاست کا نچوڑ ہے 12۔

نظام الملک طوسی نے بھی الماوردی کی طرح اپنے افکار مدون کرنے میں قرآن وسنت اور تاریخ سے استنباط کیا ہے۔ مگر الماوردی کے برعکس طوسی کا انداز حقیقت پسندانہ ہے۔ دونوں کے دلائل ایک ہیں لیکن ان کا طرزِ استدلال مختلف ہے اور حقیقت پسندی کے سبب طوسی کے دلائل زیادی قوی ہیں۔ ان کی مشہور کتاب "سیاست نامہ" ہے۔ جس میں انہوں نے کہا ہے کہ بادشاہ مامور من اللہ ہوتا ہے اور اچھا یا برا بادشاہ عوام کے اعمال کی بدولت ان پر مقرر کیا جاتا ہے۔ اس طرح ان کے مطابق رعایا کی جانب سے بادشاہ کی مخالفت ناجائز ہے۔ تاہم وہ Divine Rights of King کے قائل نہیں اور بادشاہ پر شریعت کی کڑی پابندی کی شرط عاید کرتے ہیں ۔ انہوں نے ریاست کے لیے چند ضروری محکموں کا تفصیل سے بتایا، جس میں وزارتِ دربار، قضاۃ، مالیات کا محکمہ، محکمہ دفاع، سفارت کاری اور جاسوسی کے محکمے قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے نہ صرف ان محکموں کی تفصیل درج کی بلکہ ان کی ذمہ داریوں اور فرائض کا تعین بھی کیا۔ انہوں نے عورت کا سیاست میں دخل دینا ریاست کے لیے نقصان دہ قرار دیا۔ 13

امام غزالی(1058ء۔1111ء)

امام غزالی (1058-1111ء) ایک عظیم اسلامی مفکر، فلسفی اور صوفی تھے۔ انہوں نے اسلامی فکر کے مختلف شعبوں میں نمایاں کام کیا، جس میں سیاسی فکر بھی شامل ہے۔ مسلمان مفکرین میں غزالی اولین ہیں جو سیاسیات کو باقاعدہ ایک علم کی صف میں شامل کرتے ہیں۔14

آپ کی بے مثل کتاب "احیاء علوم الدین" جو کہ 4 جلدوں میں ہے اس میں جابجا ریاست ابتداء و ضرورت اور بادشاہ کے اوصاف وغیرہ سے متعلق آپ کے سیاسی خیالات سامنے آتے ہیں۔ اس موضوع پر آپ کی اہم ترین تصنیف التبر المسبوک فی نصیحۃ الملوک ہے جو ملک شاہ سلجوقی کے بیٹے غیاث الدین ابو شجاع محمد کو امورِ مملکت میں مدد دینے کے لیے لکھی گئی ہے۔ مملکت کے نظم و نسق کی تدبیر کے معاملے میں اس میں نہایت قیمتی مشورے دیے گئے ہیں۔15

امام غزالی کی سیاسی فکر کا بنیادی نقطہ نظر اسلامی شریعت کی بالادستی پر مبنی تھا۔ ان کے خیال میں، ریاست کا قیام اور اس کا نظام اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق ہونا چاہیے۔ انہوں نے عدل، انصاف، اور امن کو ریاست کے بنیادی مقاصد قرار دیا۔ غزالی نے سیاسی اقتدار کی بنیاد کو بھی شریعت سے جوڑا۔ ان کے مطابق، حاکم کو اسلامی شریعت کی تعلیمات اور اصولوں کی پابندی کرنی چاہیے۔ انہوں نے حاکم کی ذمہ داریوں پر بھی زور دیا، جس میں عوام کی فلاح و بہبود، انصاف کا نفاذ، اور ظلم و ستم سے تحفظ شامل ہیں۔ غزالی نے عوامی رائے کے احترام (جمہوریت) کے تصور کو بھی تسلیم کیا، لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے شریعت کی بالادستی کو بھی ضروری قرار دیا۔ ان کے خیال میں، عوام کا حق ہے کہ وہ اپنے حاکم کا انتخاب کریں، لیکن اس انتخاب میں اسلامی شریعت کی تعلیمات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ وہ شخصی حکومت کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن شریعت اور مشاورت کی کڑی پابندی عاید کر کے اس کی مطلق العنانی کا مکمل سد باب کر دیتے ہیں۔ غزالی نے ریاست اور مذہب کے تعلق پر بھی زور دیا۔ ان کے مطابق، ریاست کو مذہب کی خدمت کرنی چاہیے اور مذہب کی تعلیمات کے مطابق کام کرنا چاہیے۔ انہوں نے مذہب کی حفاظت اور اس کے فروغ کو ریاست کی اہم ذمہ داری قرار دیا۔ غزالی کی سیاسی فکر اسلامی دنیا کے لیے بہت اہم ہے۔ ان کی تعلیمات نے اسلامی حکمرانی اور سیاسی نظام کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ آج بھی، ان کی تعلیمات سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے، خاص طور پر انصاف، عدل، اور امن کی اہمیت کے بارے میں۔ امام غزالی نے مذہب اور ریاست کو "توأمان" (جڑواں بہنیں) قرار دیا۔ ان کے نزدیک حکمران کا فرض ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے اور عدل و اخلاق کو فروغ دے۔ انہوں نے "امامت" کو شریعت کے نفاذ کا ذریعہ قرار دیا، لیکن ساتھ ہی حکمران کی اخلاقی تربیت کو بھی لازمی سمجھا۔ وہ "تھیوڈیمو کریسی" کے قائل تھے، جہاں عوام کی رائے اور دینی اصول ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ الماوردی کی طرح وہ بھی اپنے زمانے کی حقائق سے نظریں نہیں چُراتے اور ان حالات اور اسلامی نصب العین میں تطبیق کی کاوش کرتے ہیں۔ اس کی ایک صورت امام کے اوصاف میں ماورد

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

ی کے مقابلے میں نسبا تأثر می اور قوت کے بل پر کسی علاقے پر اختیار حاصل کر لینے والے ایسے افراد جو خلیفہ کے بہر حال رسمی ماتحت رہنا قبول کریں، ان کی حکومت کا جواز پیش کرنا ہے۔ ایسے افراد کو وہ "سلطان" کہتے ہیں۔16

ابن تیمیہ(1263ء۔1328ء):

بغداد کے زوال کے باعث مسلمان جس سیاسی، مذہبی اور سماجی بد حالی میں مبتلا تھے اس سے نجات دلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حران کے مقام پر امام تیمیہ کو پیدا کیا۔ جس نے ان خرابیوں کو دور کرنے کے لیے نہ صرف زبان اور قلم سے جہاد کیا بلکہ شمشیرِ برہنہ لے کر وہ تاتاریوں کے مقابلے پر ڈٹ گیا۔ اگر وہ نہ ہوتا تو شام و مصر بھی دیگر مشرقی ممالک کی طرح تاتاریوں کی ہوس ناکیوں کا شکار ہو گئے ہوتے۔ ابن تیمیہ نے اسلام کو بدعتوں سے پاک کیا اور لوگوں کے سامنے وہ خالص اسلام پیش کیا جسے لے کر محبطِ وحی علیہ صلاۃ و تسلیم دنیا میں لائے تھے۔ یہ ان کا اتنا بڑا کارنامہ ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔17

حکومت و سیاست کے بارے میں ان کی معروف و ممتاز ترین کتب "الامامہ والسیاسۃ" اور "السیاسۃ الشریعۃ فی اصلاح راعی و رعایا" ہیں۔ ایک سیاسی و مذہبی کتاب "منہاج النبوہ" ہے جس میں سیاست بھی زیر بحث ہے اور اہل بدعت کے عقائد کی تردید بھی۔18

ابنِ تیمیہ نے اسلام کو بدعتوں سے پاک کرنے کی کوشش کی اور عوام کے سامنے خالص اسلام پیش کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ عباسی خلافت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی گل ہو گیا تھا، خونخوار تاتاری عذابِ الٰہی بن کر عالمِ اسلام پر نازل ہوئے، جن کے ہاتھوں مسلمان سلطنتیں صفحہ ء ہستی سے مٹ رہیں تھیں، اس سیاسی تباہی کا عقائد اور اعمال پر بہت برا اثر پڑا۔ مسلمانوں نے بہت ساری بدعات ایجاد کر لیں۔ قبر پرستی دین کا رکن سمجھ لیا گیا۔ جہاد اور اجتہاد تو قصہ ء پارینہ بن چکے تھے۔ ایک طرف صوفیائے اسلام تھے، جو گوشہ نشینی کی طرف مائل ہو گئے تھے، تو دوسری طرف مذہبی احکامات کو فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھنا شروع کر دیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن واحادیث کو عجیب وغریب تاویلات کی آماج گاہ بنا دیا گیا، تاکہ فلسفیانہ تصّورات اور اسلام میں مطابقت پیدا کی جائے۔ مسلمانوں کو اس سے نجات دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ابنِ تیمیہ جیسا شخص پیدا کیا۔19

یہ معلوم ہے کہ مسلم مفکرین نے اپنے نظریات کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی۔ ان کے سامنے سب سے زیادہ مشکل اس وقت پیش آئی کہ اسلامی قانون اور اس وقت کے موجودہ حالات کے درمیان مطابقت کس طرح پیدا کریں؟ انہوں نے اس مشکل سے اس طرح دامن بچایا کہ انہوں نے اقتدارِ اعلیٰ کی صفّات اور ان کے فرائض کی ایک فہرست تیار کر لی، اور اس وقت کے حکام جو ان کی بیان کردہ صفّات سے بالکل ہی عاری تھے ان کی برطرفی یا بحالی کا کوئی راستہ نہیں بتایا۔ یہ معاملہ ابنِ تیمیہ کے ساتھ بھی پیش آیا، اانہوں نے ایک نئی راہ نکال دی۔ وہ یہ کہ انہوں نے حکمرانوں کے اوصاف کی کوئی نئی فہرست نہیں تیار کی بلکہ اپنی تمام تر توجہ

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

شرعی احکام کی تشریح کی طرف مرکوز کر لی۔ان کے سیاسی نظریات کا مرکزی خیال یہ ہے کہ احکامِ شریعت کی پابندی ہی مسلمانوں کے معاشرے کو سدھار سکتی ہے۔20ے

> ابن تیمیہ کے دور کا سب سے بڑا مسئلہ ان لوگوں کی ضرورت تھا جو قانونِ شرعی اور اپنے دور کے حالات میں مکمل مطابقت پیدا کرنا چاہتے تھے یہ حقیقت ہے کہ خلفائے راشدین کے بعد ہی سے خلفاء وحکمران اسلام کی روح سے دور ہوتے چلے گئے اور عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ابنِ تیمیہؒ کے لیے بھی یہی مسئلہ تھا کہ وہ قوانینِ شرعی کے ساتھ حالات کی مطابقت کیونکر پیدا کریں؟ شاید اسی لیے انہوں نے سب سے زیادہ زور قرآن و حدیث پر دیا تاکہ احکام شریعہ وضاحت کے ساتھ سامنے آسکیں اور ان کے ذریعے معاشرے کی تطہیر کی جاسکے۔21ے

ابنِ تیمیہ نے بھی اپنے سیاسی نظریات کی بنیاد قرآن وسنت کو بنایا۔انہوں نے انسانوں کو چار طبقات میں منقسم کیا۔پہلا طبقہ ملوک و رئوسائے مفسدین کا،دوسرا طبقہ جرائم پیشہ افراد کا، تیسرا طبقہ برتری چاہنے والوں کا ،لیکن یہ لوگ فساد سے باز رہنا چاہتے ہیں،چوتھا طبقہ ہوتا ہے مکمل طور پر صالحین کا،اور ابنِ تیمیہ نے کہا کہ یہی لوگ خیر البریہ ہیں۔ابنِ تیمیہ سیاست کو دین سے جدا نہیں سمجھتے تھے۔وہ ریاست اور دین کو لازم وملزوم سمجھتے تھے۔ان۔اسلامی ریاست میں شریعت سب پر بالا ہے کے نزدیک حکام کا فرض ہے کہ دینِ اسلام کا نفاذ کریں نظامِ عدل وقسط قائم کریں۔وہ کہتے تھے کہ راعی اور رعایا دونوں کے لئے شرعی حدود کی پابندی لازم ہے۔وہ علمائے کرام کی شوریٰ کو لازمی قرار دیتے تھے۔22ے

ابن خلدون(1332ء-1406ء)

ایک ممتاز مسلم مؤرخ، سماجیات دان اور سیاسی مفکر تھے۔ان کی سیاسی فکر ان کے مشہورِ زمانہ مقدمہ، جو کہ دراصل ان کی تاریخ کا مقدمہ ہے، میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ابن خلدون کی سیاسی فکر کا بنیادی نقطہ نظر یہ تھا کہ ریاست کا قیام اور اس کا استحکام معاشرتی اور اقتصادی عوامل پر منحصر ہے۔انہوں نے ریاست کے ارتقاء،اس کی تشکیل اور زوال کے اسباب کا گہرا مطالعہ کیا اور ان عوامل کا تعین کیا جن کی وجہ سے ریاستیں قائم ہوتی ہیں اور زوال کا شکار ہوتی ہیں۔ابنِ خلدون نے نظامِ حکومت کو ملوکیت اور خلافت میں تقسیم کیا۔وہ کہتے تھے کہ خلیفہ اللہ کا نائب نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا نائب ہوتا ہے وہ حکومت کے حصول وبقا کے لئے عصبیت کو لازمی عنصر قرار دیتے تھے۔انہوں نے بھی حکام کی صفات وفرائض کی ایک فہرست مرتب کی۔وہ حکمرانوں کے اوصاف میں عدالت، علم، کفایت،اعضاء وجورح کا سالم ہونا،اور فرائض میں دین کی حمایت ,دین کی اقامت اور مصالح کا فروغ شامل ہیں۔انہوں نے سیاسیات اور معاشیات ایک تعلق پیدا کیا۔

ان کی فکر میں ریاست کے قیام وبقامیں **عصبیت** (Asabiyyah) کو بنیاد کا درجہ حاصل ہے۔ابن خلدون نے "**عصبیت**" کو ریاست کی تشکیل اور استحکام کا بنیادی عنصر قرار دیا۔ عصبیت سے مراد قومی یا اجتماعی اتحاد اور یکجہتی ہے۔ان کے مطابق،ایک

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

مضبوط ریاست کی بنیاد مضبوط عصبیت پر ہوتی ہے۔ جب عصبیت کمزور ہوتی ہے تو ریاست زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس کے مطابق حکومت کی تین پشتیں ہوتی ہیں۔ ہر پشت 40 سال پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس 120 سال کے عرصے میں ریاست 5 مدارج طے کرتی ہے۔ اول درجہ اول العزمی اور فتوحات کا ہے اور آخری درجہ تعیش و سازش کا ہے۔ رفتہ رفتہ تین پشتوں میں 5 مدارج طے کرنے کے بعد ریاست زوال پذیر ہو جاتی ہے۔ 23ے

ابن خلدون نے مختلف حکومتی نظاموں کا مطالعہ کیا، جیسے بادشاہت، جمہوریت اور اشرافیہ کی حکومت۔ انہوں نے ہر نظام کی خوبیوں اور خامیاں کو بیان کیا اور یہ بتایا کہ کس طرح مختلف عوامل ان نظاموں کے قیام اور زوال کو متاثر کرتے ہیں۔ ابن خلدون نے عدل و انصاف کو ریاست کے استحکام کے لیے ضروری قرار دیا۔ ان کے مطابق، ایک عادلانہ حکومت ہی عوام کی وفاداری حاصل کر سکتی ہے اور ریاست کو مضبوط بنا سکتی ہے ابن خلدون نے معاشیات کو سیاسی نظام کے ساتھ گہرا تعلق رکھنے والا عنصر سمجھا۔ انہوں نے تجارت، زراعت اور صنعت کی اہمیت کو اجاگر کیا اور یہ بتایا کہ کس طرح معاشی ترقی ریاست کی طاقت اور استحکام کو بڑھاتی ہے۔ ابن خلدون نے تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا اور مختلف ریاستوں کے عروج و زوال کا تجزیہ کیا۔ انہوں نے یہ بتایا کہ کس طرح سیاسی اور معاشی عوامل ریاستوں کے ارتقاء کو متاثر کرتے ہیں۔ 24ے

شاہ ولی اللہ دہلوی (1703ء-1762ء)

تاریخی پس منظر

شاہ ولی اللہ کا دور مغل سلطنت کے زوال، داخلی انتشار، اور بیرونی حملوں (مثلاً نادر شاہ) کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں میں فقہی جمود، طبقاتی تقسیم، اور اخلاقی انحطاط عام تھا۔ اس پس منظر میں انہوں نے دینی، فکری، اور سیاسی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ 25ے

ابو الحسن علی ندویؒ نے شاہ ولی اللہؒ کی دینی خدمات کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا ہے۔

1۔ اصلاحِ عقائد و دعوت الی القرآن

2۔ حدیث و سنت کی اشاعت اور فقہ کی تطبیق کی سعی

3۔ شریعتِ اسلامی کی مربوط ترجمانی اور مقاصدِ حدیث و سنت کی تشریح

4۔ اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافتِ راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات

5۔ سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور میں شاہ ولی اللہ کا مجاہدانہ کردار

6۔ امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح

7۔ علمائے راسخین کی تعلیم و تربیت، جنہوں نے ان کے بعد اصلاحِ امت اور اشاعتِ دین کا کام جاری رکھا۔ 26ے

سیاسی فکر کے بنیادی نکات

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

شاہ ولی اللہ عدلِ اجتماعی کے قیام کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور ان کے نزدیک ریاست کا اصل مقصد عدل کا نفاذ ہے، جو شریعت، اخلاق، اور سماجی توازن سے حاصل ہوتا ہے۔ انہوں نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں عدل کو الٰہی حکمت کا مظہر قرار دیا۔ شاہ صاحب نے خلافتِ راشدہ کو مثالی سیاسی نظام قرار دیا، جس میں شورائیت، تقویٰ، اور عوامی فلاح شامل تھی۔ ان کے نزدیک خلافت کا مقصد دین کا تحفظ اور دنیا کی اصلاح ہے۔ انہوں نے "ازالۃ الخفاء" میں امامت، خلافت، اور حکومت کے اصولوں پر اجتہادی بحث کی۔ حکمران کے لیے علم، عدل، اور دینی بصیرت کو لازمی قرار دیا۔ شاہ صاحب نے اشرافیہ، علماء، اور عوام کے درمیان توازن کی وکالت کی۔ انہوں نے معاشی انصاف، زکوٰۃ، اور بیت المال کے مؤثر نظام پر زور دیا۔ ان کے نزدیک مسلم زوال کی بڑی وجوہات میں اخلاقی انحطاط، فرقہ واریت، اور دینی جمود شامل تھے۔ انہوں نے تصوف، فقہ، اور سیاست کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ وہ عورت کے حکمران ہونے کے مخالف ہیں اور غلامی کے جواز کے قائل ہیں، اگرچہ وہ غلاموں کو بہت سے حقوق دینے کی بات کرتے ہیں۔ وہ محض اصولی تعلیمات بیان کر کے نہ رہ گئے بلکہ اصلاحِ احوال کے لیے عملی کوششوں سے بھی دریغ نہ کیا۔27

شاہ ولی اللہ کی سیاسی فکر ان کی تصانیف "حجۃ اللہ البالغہ" جو کہ دینی و سیاسی حکمت، عدل، اور معاشرتی نظام کے موضوعات پر مشتمل ہے، اور "ازالۃ الخفاء" جو کہ خلافت، امامت، اور سیاسی اصول سے بحث کرتی ہے، "الخیر الکثیر" جس میں اسلامی ریاست کے اصول زیرِ بحث آئے ہیں، میں نمایاں ہے۔28

شاہ ولی اللہ کی فکر نے برصغیر میں اسلامی احیاء کی فکری بنیاد رکھی۔ ان کے شاگردوں (مثلاً شاہ عبدالعزیز، سید احمد شہید) اور بعد کے مفکرین (مثلاً سید مودودی، وعبید اللہ سندھی وغیرہ) نے ان کے افکار سے رہنمائی لی۔ ان کی فکر میں روایتی دینی اصول اور جدید سیاسی شعور کا امتزاج ملتا ہے۔

موازناتی جدول: قدیم مسلم مفکرین کی سیاسی فکر

مفکر	عہد/سیاق	فکری جھکاؤ/اثرات	ریاست کا تصور	حاکمیت کا منبع	معاشرتی تنظیم	نمایاں تصنیف
الفارابی	عباسی دور (9ویں–10ویں صدی)	افلاطونی و ارسطوئی فلسفہ، عقلیت	المدینہ الفاضلہ (معاہدہ عمرانی پر مبنی مثالی ریاست)	عقل و حکمت، فلسفی حکمران	طبقاتی تقسیم بر بنائے فضیلت وعقل	سیاست المدینہ، آراء اہل المدینہ الفاضلہ
الماوردی	عباسی خلافت (11ویں صدی)	فقہی و سنی سیاسی نظریہ	خلافت پر مبنی فقہی ریاست	شریعت و امت کی بیعت	فقہی ادارہ جاتی نظم، قضا، بیت المال	الاحکام السلطانیہ
نظام الملک طوسی	سلجوقی سلطنت (11ویں صدی)	تجرباتی حکمرانی، ادارہ سازی	عملی وانتظامی سلطنت، عدل و نظم	بادشاہ کی اطاعت، مشورہ وتدبیر	نظم و نسق، تعلیم، جاسوسی، عدالتی نظام	سیاست نامہ
امام غزالی	عباسی دور (11ویں–12ویں صدی)	تصوف، اخلاقیات، دینی سیاست	اخلاقی و دینی ریاست	دین کی حفاظت، حکمران کی تربیت	مذہب و اخلاق پر مبنی سماجی ہم آہنگی	نصیحت الملوک، احیاء علوم الدین
ابن تیمیہ	مملوکی دور (13ویں–14ویں صدی)	سلفی فکر، اجتہاد، اصلاحی تحریک	شریعت پر مبنی حکومت	اللہ کی حاکمیت، عدل و جہاد	سادہ، سلفی معاشرہ، بدعات سے پاک	السیاسۃ الشرعیۃ
ابن خلدون	مرینی سلطنت (14ویں صدی)	عمرانیات، تاریخی تجزیہ، تجربہ	تمدنی ریاست، عصبیت پر مبنی اقتدار	طاقت، سماجی ہم آہنگی	قبائلی عصبیت، تمدن، شہری وبدوی تقسیم	مقدمہ ابن خلدون

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

شاہ ولی اللہ دہلوی	مغل زوال کا دور (18ویں صدی)	خلافتِ راشدہ کی طرز پر عدل و اخلاقی ریاست	شریعت،اجتہاد،عدل	طبقاتی ہم آہنگی، عدلِ اجتماعی، بیت المال، اصلاحِ امت	اجتہادی فکر، اسلامی احیاء	حجۃ اللہ البالغہ، ازالۃ الخفاء

دورِ جدید کے مسلم سیاسی مفکرین

دور قدیم اور دور جدید میں بنیادی فرق اسلام بطور ایک نظام حکومت و ریاست کا ختم ہو جانا ہے جو کہ سقوطِ خلافتِ عثمانیہ کے بعد ہوا۔ ماضی کے مسلم سیاسی مفکرین کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ اسلام کے نصب العین اور حکومتی طرزِ عمل کے درمیان کسی طور تطبیق پیدا کی جائے اور حکمرانوں کو اسلام کے جادۂ اعتدال سے قریب تر رکھنے کی کوشش کی جائے اگرچہ ایسا کرنے میں انہیں کئی فکری سمجھوتے کرنے پڑے لیکن ایک بڑے مقصد (شوکتِ اسلام و مسلمین اور نفعِ عامہ) کو حاصل کرنے کے لیے وہ ایسا کر گزرے۔

بیسویں صدی عیسویں سے قبل اصلاحِ احوال کی تمام کوششوں کی اصل نوعیت احیائے دین کی نہیں بلکہ حفاظتِ دین کی تھی۔ ابھی اسلام کی عمارت زمین بوس نہیں ہوئی تھی۔ دین کی روح چاہے مضمحل ہو لیکن اسلام کی حاکمیت اور اسلامی تہذیب و تمدن کا سکّہ قائم تھا۔ اور شریعتِ اسلامی تمام مسلم دنیا میں نافذ تھی۔ چنانچہ مسلم مفکرین و مصلحین کے کام کا اصل مقصد یہی رہا کہ دینِ اسلام کا نظامِ عقائد و اعمال اپنی اصلی صورت میں محفوظ رہے اور بیرونی اثرات اس کو متاثر نہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ سے لے کر شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے زمانے تک سارے مجدّدین کی مساعی اکثر و بیشتر علم و فکر کے میدان تک ہی محدود ہیں، یا زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ اخلاق و اعمال اور تزکیہء نفس تک قدم بڑھ گیا۔ اس سے بڑھ کر کسی مجدد دین کی مساعی نے سیاسی اور عسکری تحریک کی صورت اختیار نہیں کی۔ اسی وجہ سے سابق مجددین کا کام بظاہر جزوی نظر آتا ہے، کیوں کہ بات یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام کی عمارت پوری طرح منہدم ہی نہیں ہوئی تھی کہ نئی تعمیر کی حاجت ہوتی۔ عمارتِ اسلام جتنی شکستہ ہوئی تھی اتنی ہی اصلاح کی ضرورت تھی۔

اس ضمن میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کلاسیکی مسلم سیاسی مفکرین نے اپنے عہد میں اپنے سیاسی افکار تو مدون کئے اور انہیں مسلم حکمرانوں کی اصلاح کے لئے پیش بھی کیا لیکن کوئی اصلاحی یا انقلابی یا سیاسی تنظیم یا جماعت کی تشکیل نہیں کی کہ اپنے افکار کو عملا نافذ کرنے کی کوشش کی جائے اور نہ ہی وہ اپنے عہد میں ایسا کر سکتے تھے۔ سیاسی جماعتیں اور حزبِ اختلاف، یا کوئی عوامی احتجاجی تحریک کا نہ رواج تھا اور نہ ہی اس کا دستور۔ اور نہ ہی کوئی حاکمِ وقت اس کو برداشت کر سکتا تھا۔ حکومت کی مخالفت کو ریاست سے غداری تصور کیا جاتا تھا۔ خلافت کا ادارہ تو موجود تھا، لیکن وہ ملوکیت میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اگرچہ حکمرانوں کے لئے خلیفہ کا لقب استعمال کیا جاتا تھا۔ مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج کی شرائط فقہائے اسلام نے مدون کر لیں تھیں۔ جن کو پورا کئے بغیر خروج ناجائز قرار پاتا۔

عہد حاضر کے تقاضے: لیکن عہد حاضر میں تمدنی ارتقاء کی صورت میں بہت کچھ بدل چکا ہے۔ سیاسی جماعتیں بھی بنائی جاسکتی ہیں اور مذہبی و نیم مذہبی و سیاسی جماعتیں بھی موجود ہیں۔ حزبِ اقتدار بھی موجود ہوتی ہے اور حزبِ اختلاف بھی۔ عوام حکومت کے خلاف اپنا احتجاج ریکارڈ کرا سکتے ہیں۔ تمام عالم اسلام میں سوائے عرب ممالک کے جمہوری نظام حکومت نافذ ہے۔ مغربی جمہوری نظام کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے "عوام کی حکومت، عوام پر حکومت اور عوام کے لئے حکومت" بیان کردہ تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت کے بنانے میں اس کو چلانے میں اور اس کو ہٹانے میں عوام کا عمل دخل شامل ہوتا ہے۔ موجودہ عہد کے اس تناظر میں جدید مسلم مفکرین نے اپنے افکار پیش کیے ہیں تاکہ موجودہ پستی اور زوال سے نجات ممکن ہو سکے۔ جن میں سے برصغیر میں علامہ محمد اقبال، مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد اہم ہیں ۔

علامہ محمد اقبال(1877ء-1938ء)

بیسویں صدی عیسوی میں علامہ محمد اقبال نے اپنی ملی شاعری کے ذریعے امتِ مسلمہ کی بیداری کا مشکل کام سر انجام دیا۔ان کی ملی شاعری میں اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی، جاوید نامہ اور پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، خصوصی حیثیت رکھتی ہیں۔ علامہ محمد اقبال نے اسلام کے تصور دین کی علمی اور فلسفیانہ تعبیر اپنے خطبات The reconstruction of 'religious thoughts in Islam' میں کی۔ علامہ محمد اقبال کی مخاطب پوری ملتِ اسلامیہ ہے، لیکن انہوں نے خصوصیت سے مسلمانوں کے ذہین اور بااثر تعلیم یافتہ طبقے کو خطاب کیا۔ علامہ محمد اقبال نے شاعری کے ذریعے شکست خوردہ مسلم قوم میں تحریک پیدا کرنے کے لیے عقلی اپیل کے ساتھ ساتھ جذباتی اپیل کو بھی استعمال کیا۔

؎ خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے   کہ تیرے بحر کی موج میں اضطراب نہیں

علامہ محمد اقبال نے اسلامی فکر کی تجدید نو کی۔ انہوں نے مسلمانوں میں غیرتِ ملی کو جگایا اور انہیں مغربی افکار کی برتری کے سحر سے نکالا۔ ان میں اپنے دین، اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ پر فخر کا جذبہ بیدار کیا۔ مسلمانوں کو بحیثیتِ ایک امت تمدنی اور سیاسی اعتبار سے اسلام کی راہ پر ڈالا۔ یہ علامہ اقبال کا اہم ترین تجدیدی کارنامہ ہے۔ 29؎

علامہ اقبال کی مرکزی فکر میں خودی کا تصور اہم ترین ہے جس کا مقصد فرد کی روحانی خود مختاری اور سیاسی بیداری ہے۔ وہ مغربی جمہوریت کی خامیوں پر تنقید، مگر اسلامی اصولوں پر مبنی عوامی حکومت کی وکالت کرتے ہیں۔ ان کے مطابق ملتِ اسلامیہ میں قومیت کی بنیاد رنگ و نسل نہیں، بلکہ دین ہے۔ اقبال کے نزدیک ریاست کا تصور یہ ہے کہ وہ ایسی ریاست کے قائل ہیں جو قرآن و سنت کی روشنی میں اجتہاد سے تشکیل پائے۔ 1930ء کے خطبہ الٰہ آباد میں انہوں نے ایک مسلم ریاست کا تصور پیش کیا۔ جس کی پارلیمینٹ کو وہ اجتہاد کا حق دیتے ہیں۔

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز کی احیائی تحریکیں فکرِ اقبال سے جِلا پاتی رہیں۔ علامہ اقبال نے مغرب کی علمی اور سائنسی ترقی کو قران کا ظہور قرار دیا۔ اسی طرح عوام کے سیاسی اور معاشی حقوق کے تصور کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے مستعار اور ماخوز

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

قرار دیا۔اسلام کے علمِ کلام کو افلاطونی سیاسی تصورات کی وادیوں سے نکالا۔ارسطو کی منطق کے چنگل سے بھی آزادی دلائی اور جدید تجرباتی علوم کی اساس پر اسے استوار کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی عمرانی نظریات اور سیاسی تصورات پر زبردست تنقید کی۔دوسری جانب اسلام کے صحیح انقلابی فکر کی پوری شان کے ساتھ تجدید کی۔اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے دیے گئے دینِ اسلام اور اس کے نظامِ عدل اجتماعی کو دورِ جدید کی اعلی ترین فکری سطح سے ہم آہنگ کر کے پیش کیا۔مغربی افکار، سیکولرزم اور نیشنلزم و وطنی قومیت علامہ اقبال کی تنقید سے بچ نہ سکے۔علامہ اقبال کے نزدیک دین اور سیاست کی علیحدگی اس دور کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔نیز انسانی حاکمیت کا نظریہ علامہ اقبال کے نزدیک کفر اور شرک ہے۔چاہے وہ شخصی حاکمیت کا نظریہ ہو یا قومی اور عوامی حاکمیت کا۔30

اقبال کے اثرات ہمہ گیر ہیں وہ تحریکِ پاکستان کے فکری معمار ہیں اور جدید اسلامی سیاسی فکر میں روحانیت، اجتہاد، اور انقلابی شعور کا امتزاج پیش کرتے ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی (1903ء-1906ء)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی مرکزی فکر "نظریہ اقامتِ دین" ہے۔جس کے مطابق حاکمیتِ الٰہیہ، اقتدارِ اعلیٰ صرف اللہ کا ہے، انسان خلیفہ ہے۔اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہے جو شریعت کے مطابق ہو۔انہوں نے جمہوریت کو "تھیوڈیموکریسی "کی شکل میں قبول کیا: یعنی شورائیت+شریعت۔

ان کے نظریہ اقامتِ دین کی تفہیم کے لیے یہ حقیقت سامنے رکھنا ضروری ہے کہ ایک جوہری فرق ماضی اور حال کے مابین واقع ہو چکا ہے اور وہ یہ کہ سقوطِ خلافتِ عثمانیہ کے بعد اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ سانحہ رونما ہوا کہ اسلام کا سیاسی اقتدار عملاً ختم ہو گیا۔اس سے قبل شریعت کی نافرمانی کا سلسلہ کبھی سرکاری سطح پر تو جاری رہا تاہم امت کی تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ ہوا کہ اسلام مغلوب ہو کر رہ جائے اور دنیا کے نقشے پر کوئی نام نہاد ہی سہی اسلامی ریاست باقی نہ رہے۔برصغیر میں شاہ اسمٰعیلؒ و سید احمدؒ اور سید مودودیؒ کی مساعی اسی حوالے سے دیکھی اور سمجھی جا سکتی ہیں۔

سید مودودیؒ کی بنیادی فکری کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" ہے۔جس میں وہ "الٰہ، رب، عبادت اور دین" کی دینی اصطلاحات کی جامع تشریح پیش کرتے ہیں اور ان ہی تشریحات پر ان کا پورا فکری کام بنیاد رکھتا ہے۔سید مودودیؒ نے کفر بالطاغوت اور توحیدِ عملی کے تقاضوں کی نشان دہی کی اور امتِ مسلمہ کی اس حوالے سے ذمے داریوں کا بھولا سبق اسے یاد دلایا۔انہوں نے کہا کہ بگاڑ کا سبب قرآنی فکر سے دوری اور دینی اصطلاحات کا رفتہ رفتہ اپنا معنی کھوتے چلے جانا تھا۔31

سید مودودیؒ معاملاتِ دنیا کی زمامِ کار فساق و فجار سے چھین کر مومنین صالحین کے ہاتھ میں دینا چاہتے ہیں۔آپ امامتِ صالحہ کے قیام کو دین کا مقصود قرار دیتے ہیں۔32

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

سید مودودیؒ پرامن جدوجہد کے داعی ہیں اور طاغوت کے انکار، اسلام کے غلبۂ سیاسی کی فکر، اس کے لیے عملی جدوجہد اور اسلامی تصورِ جہاد پر غیر معذرت خواہانہ رویے نے انہیں مسلم انقلابی مفکرین کی صفِ اول میں جگہ فراہم کر دی ہے۔

آپ مسلح جدوجہد کی مشکلات اور موانعات سے آگاہ تھے، مسلم قوم کی اخلاقی حالت بھی آپ کے سامنے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ خفیہ اور مسلح تحریکات کے سخت خلاف تھے کہ ان کے نتائج عمومی طور پر کبھی بھی مثبت نہیں بر آمد ہوئے ہیں۔33

آپ کی سیاسی فکر کو واضح کرنے والی نمایاں تصانیف میں اسلامی ریاست ,خلافت و ملوکیت ,الجہاد فی الاسلام وغیرہ شامل ہیں۔

سید قطب(1906ء-1966ء)

سید قطب کی فکر نے بیسویں صدی میں اسلامی سیاسی تحریکوں، خاص طور پر اخوان المسلمون اور اس سے وابستہ انقلابی رجحانات پر گہرا اثر ڈالا۔ تاریخی سیاق میں ان کی فکر مصر میں ناصر حکومت کے جبر، مغربی استعمار، اور سیکولر قوم پرستی کے خلاف ردعمل کے طور پر سامنے آتی ہے۔

سید قطب نے جہالتِ جدیدہ کا تصور پیش کیا اور جدید سیکولر نظام کو "نئی جاہلیت "قرار دیا۔ وہ انقلابی تبدیلی چاہتے ہیں اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے فکری و عملی جدوجہد ضروری گردانتے ہیں۔ سید مودودی کی طرح سید قطب بھی حاکمیتِ الٰہیہ (Hakimiyyah) کے قائل ہیں۔ سید قطب کے مطابق قانون سازی کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے۔ انسانوں کی بنائی ہوئی حکومتیں "طاغوت "ہیں۔ وہ جمہوریت، قوم پرستی، اور سیکولرزم کو شرک فی الحاکمیت قرار دیتے ہیں۔34

جدید معاشرے کو وہ جہالتِ جدیدہ(Modern Jahiliyyah) سے تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ یہ اللہ کے قانون سے انحراف پر مبنی ہیں۔35

سید قطب تدریجی اصلاح کے بجائے فکری و عملی انقلاب کے قائل تھے۔ ان کے مطابق اسلامی نظام کے قیام کے لیے منظم جدوجہد، قربانی، اور عملی جدوجہد بھی ضروری ہے۔ سید قطب نے ایک ایسی جماعت کی ضرورت پر زور دیا جو قرآنی اصولوں پر مبنی ہو، تربیت یافتہ ہو، اور نظامِ باطل سے ٹکرانے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ان کے نزدیک اسلامی معاشرہ صرف اس وقت قائم ہو سکتا ہے جب شریعت نافذ و بالادست ہو۔36

سید قطب کی نمایاں تصانیف میں "معالم فی الطریق" (اسلامی تحریک کا منشور، حاکمیتِ الٰہیہ، انقلابی دعوت)، "فی ظلال القرآن "(قرآن کی تفسیر، سیاسی و سماجی اصولوں کی وضاحت)، "العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام "(اسلامی عدل، معاشرتی نظام، طبقاتی تفریق کی مذمت) شامل ہیں۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

سید قطب نے اخوان المسلمون کی فکری بنیادوں کو تقویت دی اور اسلامی انقلابی تحریکوں، خاص طور پر عرب دنیا میں، پر گہرا اثر ڈالا۔

ڈاکٹر اسرار احمد (1932ء۔2010ء)

ڈاکٹر اسرار احمد مولانا مودودی کے نظریہ اقامتِ دین سے متفق ہیں لیکن وہ انتخابی سیاست کے ذریعے اسلامی حکومت کے قیام کے قائل نہیں ہیں بلکہ احتجاجی تحریک منظم کر کے اسلامی انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ وہ مسلح جدوجہد کو بھی رد کرتے ہیں یعنی نہ بیلٹ نہ بلٹ۔(NO BALLOT NO BULLET)

ڈاکٹر اسرار احمد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کا ایک قول نقل کرتے ہیں:۔

" لا یصلح آخر ھٰذہ الامۃ الا بما صلح بہ اوّلھا"

کہ اس امت کے آخری حصہ کی اصلاح اسی طرح ہو گی، جس طرح اس کے پہلے حصہ کی ہوئی تھی۔اس قول میں اوّل و آخر کا لفظ بہت اہم ہے۔اوّل دور نبی کریم ﷺ کا دور اور خلافتِ راشدہ کا دور ہے۔اور آخر دور وہ دور ہو گا جو قربِ قیامت ہو گا۔اس دور میں پھر خلافت علیٰ منہاج النبّوہ نمودار ہو گی۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس طریقے سے اسلامی نظام قائم کیا تھا۔اب بھی اسی طریقہ سے اسلامی نظام قائم ہو گا۔ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی کتاب منہجِ انقلابِ نبّوی جس میں سیرت النّبی ﷺ کا اجمالی مطالعہ فلسفہ ءانقلاب کے نقطہ ء نظر سے پیش کیا گیا ہے، میں کہتے ہیں "انقلاب کسی بھی نوع کا ہو اس کے لئے چھ مراحل طے کرنا ضروری ہوتا ہے۔یہ بات سیرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ السلام کے معروضی مطالعہ ءسے حد درجہ واضح ہوتا ہے"۔37 ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق منہجِ انقلابِ نبویؐ سے جو چھ مراحل انہوں نے اخذ کئے ہیں وہ یہ ہیں۔1۔دعوتِ ایمان۔2۔ تنظیم۔3۔تربیت۔4۔صبر محض۔5۔اقدام۔6۔ مسلح تصادم۔38

ڈاکٹر اسرار احمد ایک منظم انقلابی جماعت کے قیام کے داعی تھے جس کا مقصد دینِ اسلام کو اس کی اصلی اور کامل شکل وصورت میں نافذ و قائم کرنا ہو۔اس تحریک سے وابستہ کارکنان خود اپنی انفرادی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھال چکے ہوں۔تربیت اور تزکیہ ءنفس کے مراحل طے کر چکے ہوں۔اپنی زندگی سے حرام نکال دیا ہو،اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اپنا شعارِ زندگی بنا لیا ہو۔ایسے لوگ بیعتِ سمع و طاعت میں منسلک ہو کر ایک امیر کے تحت منظم ہو کر بنیانِ مرصوص بن چکے ہوں۔اب یہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عنِ منکر کا فریضہ طاقت کے ساتھ کر سکیں گے۔یہ لوگ علی الاعلان منکرات کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔جدید دور میں ہر ایک کو مظاہرے اور احتجاج کا حق ہے۔ لیکن یہ مظاہرے یقینی طور سے پر امن ہوں گے اور اگر حکومتِ وقت گولیاں برسائے گی تو وہ سینوں پر کھائی جائیں گی۔39

ان پر تشدد بھی ایک حد تک ہو گا بالآخر ظالم ان پر امن لوگوں کو مارتے مارتے تھک جائیں گے۔اب تین ممکنہ نتائج نکل سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ حکومت ان مظاہروں کے دوران پسپائی اختیار کرے اور منکرات ختم کرنا شروع کر دے۔ایک کے بعد دوسرے،اور پھر تیسرے منکر کے خلاف مظاہرے جاری رکھے جائیں گے تا آنکہ اسلامی انقلاب آجائے۔جب تک پورا نظام اسلامی نہیں ہو جاتا اس وقت تک مظاہرے ہوتے رہیں گے۔دوسرا ممکنہ نتیجہ جو نکل سکتا ہے وہ یہ کہ حکومتِ وقت اسلامی تحریک کو کچلنے کی کوشش

کرے لیکن اگر مسلمان یہ قربانی دینے کے لئے تیار رہیں گے،اور ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہیں گے تو مسلح افواج میں ہی بغاوت ہو جائے گی نتیجہ یہ نکلے گا کہ خود حکومت کا ہی تختہ الٹ جائے گا۔اور یہ انقلابی تحریک کامیاب ہو جائے گی اس کے لیے وہ انقلابِ ایران کی مثال دیتے ہیں۔ اگر یہ تحریک ناکام ہو گئی اور کچل دی گئی تب بھی اس کے ارکان کام یاب ہوں گے اور جلد یا بدیر پھر کوئی نئی اسلامی انقلابی تحریک اٹھے گی اور آ کر جابرانہ نظام کو ختم کردے گی۔ جس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دی ہے۔40

جدید مسلم مفکرین: سیاسی افکار و معاشرتی تنظیم کا تقابلی مطالعہ

مفکر	عہد/سیاق	ریاست کا تصور	حاکمیت کا منبع	معاشرتی تنظیم	نمایاں تصنیف /خطبات	فکری جھکاؤ/اثرات
علامہ محمد اقبال	نوآبادیاتی دور، مسلم بیداری (20ویں صدی)	روحانی جمہوریت، خودی پر مبنی ریاست	اللہ کی حاکمیت، فرد کی خودی	ملتِ اسلامیہ، روحانی اتحاد، تصورِ قوم	خطباتِ اقبال، رموز بیخودی	انقلابی، اجتہادی، اسلامی قومیت
سید ابو الاعلیٰ مودودی	برصغیر کی تقسیم، جماعت اسلامی (20ویں صدی)	نظریاتی اسلامی ریاست، تھیوڈیموکریسی	حاکمیتِ الٰہیہ، شریعت	جماعت اسلامی، تربیت یافتہ افراد، شورائیت	اسلامی ریاست، خلافت و ملوکیت	آئینی سیاست، دعوتی تحریک، اجتہادی فکر
سید قطب	ناصر حکومت، اخوان المسلمون (20ویں صدی)	انقلابی اسلامی نظام، جاہلیت کے خلاف مزاحمت	اللہ کی حاکمیت، انقلابی جماعت	قرآنی جماعت، اقلیتی مگر نظریاتی تنظیم	معالم فی الطریق، فی ظلال القرآن	انقلابی، مزاحمتی، فکری تطہیر
ڈاکٹر اسرار احمد	مابعد تقسیم پاکستان، تنظیم اسلامی (20ویں–21ویں صدی)	خلافت علیٰ منہاج النبوۃ، غیر انتخابی نظام	اللہ کی حاکمیت، قرآنی شعور	تنظیم اسلامی، روحانی و فکری تربیت، غیر سیاسی دعوت	خطباتِ قرآن، تنظیمی خطبات	قرآنی انقلاب، روحانی اصلاح، اجتہادی دعوت

مشترکہ فکری عناصر

ذیل میں قدیم وجدید اسلامی مفکرین کی سیاسی فکر کے مشترک عناصر پیش کیے جاتے ہیں:

- **قرونِ اولیٰ کی طرف مراجعت:** اسلامی مثالی دور یعنی دورِ رسالت و خلافتِ راشدہ سے اصولوں کا استنباط

- **قابلِ قبول انحراف کی حد:** اپنے عہد کے انحراف کو اپنے فہم کے مطابق ناگزیر حد تک سندِ جواز فراہم کرنا
- **عدل :** تمام مکاتب فکر کے ہاں بنیادی اصول۔
- **شوریٰ :** اہمیت مسلمہ، تاہم ابتدائی خلافت میں فعال، بعد میں رسمی، آج کے دور میں اس کی تجدید کی ضرورت ہے۔
- **آزادانہ بیعت/حکمران کے انتخاب کا حق :** قیادت کے انتخاب کا جائز ذریعہ بیان ہوتا ہے تاہم اس سے انحراف کو بھی روا رکھا جاتا ہے، بعد کے ادوار میں تو یہ محض رسمی کارروائی بن کر رہ گئی۔
- **شریعت کی بالادستی:** حکومت اور اس کے عمال پر شریعت کی پابندیاں عاید کی جاتی ہیں جن کی حیثیت محض سفارشات کی ہوتی ہے۔
- **اجتہاد :** علمی سطح پر جاری رہا لیکن ریاستی سطح پر محدود رہا۔

تنقیدی تجزیہ

مسلم سیاسی فکر خلافت سے ملوکیت کے سفر کے ایک نتیجے کے طور پر سامنے آئی۔ ملوکیت نے مرکزیت اور آمرانہ طرزِ حکمرانی متعارف کرایا۔ مسلم سیاسی فکر کی باقاعدہ نمود دورِ عباسی کی فکری ترقی سے نمایاں ہوئی حالانکہ سیاسی زوال جاری تھا۔ بیسویں صدی میں خلافتِ عثمانیہ کے سقوط نے ایک نئی صورتِ حال کو جنم دیا جس سے نمٹنے کے لیے جدید مفکرین نے خلافتی اصولوں کی عصری تعبیر کی کوشش کی تاکہ اسلامی ریاست کے قیام کی منزل سر کی جاسکے۔

اختتامیہ

اسلامی سیاسی فکر کی ارتقائی تاریخ ایک مسلسل فکری جدوجہد کی عکاسی کرتی ہے۔ معاصر مسلم ریاستوں کو خلافتی اصولوں کو جدید حکمرانی کے نظام سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔ شوریٰ، احتساب اور اجتہاد جیسے اداروں کی بحالی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

مآخذ و حواشی

1. **ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی**، *جامع الترمذی*، حدیث نمبر 2226، باب: ماجاء في الخلافة۔
2. **ابوالاعلیٰ مودودی**، *خلافت و ملوکیت*، 26ویں اشاعت (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، 2000ء)، ص 81–102۔
3. **اکبر شاہ نجیب آبادی**، *تاریخِ اسلام* (لاہور: مکتبہ خلیل، 2004ء)۔
4. مودودی، *خلافت و ملوکیت*، باب 4، ص 172–173۔
5. **پروفیسر رشید احمد**، *مسلمانوں کے سیاسی افکار* (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، مطبع مکتبہ جدید پریس، 1990ء)، ص 56۔
6. **صابر احمد ناسک**، *افکارِ سیاسی مشرق و مغرب* (لاہور: عزیز پبلشرز، 1979ء)، ص 468۔
7. **ابوالاعلیٰ مودودی**، *تجدید و احیائے دین*، 39ویں اشاعت (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، 2010ء)، ص 30۔
8. ناسک، *افکارِ سیاسی مشرق و مغرب*، ص 469–471۔

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue **No:** 03 (2025)

9–10. رشید احمد، *مسلمانوں کے سیاسی افکار*، ص73–74۔

11–14. ناسک، *افکارِ سیاسی مشرق ومغرب*، ص480–506۔

15. **عبدالحمید فلاحی**، *ابن رشد اور ابن خلدون (مذہب، فلسفہ، سماجیات)* (علی گڑھ: مشکوٰۃ پرنٹرز و پبلشرز، 2016ء)، ص250۔

16–27. رشید احمد، *مسلمانوں کے سیاسی افکار*، ص124–250۔

28. رشید احمد، *مسلمانوں کے سیاسی افکار*، ص223۔

29. **Frid, A.**, *Liberalism and Islam* (Karachi: BCC & TP Press, University of Karachi, 2016), pp. 75–83.

30. **ڈاکٹر اسرار احمد**، *اسلام اور پاکستان: تاریخی، سیاسی، علمی اور ثقافتی پس منظر* (لاہور: تنظیمِ اسلامی، 1989ء)، ص18–59۔

31–33. **ابوالاعلیٰ مودودی**، *تحریکِ اسلامی کی اخلاقی بنیادیں اور تفہیمات*، بالترتیب 32ویں اور 19ویں اشاعت (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، 1999ء–2000ء)، ص9–10۔

34–36. **سید قطب**، *معالم فی الطریق*، ترجمہ: خرم مراد / اے۔ حامدی (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، 1975ء)، ص90–126۔

37. رشید احمد، *مسلمانوں کے سیاسی افکار*، ص168–169۔

38–40. **ڈاکٹر اسرار احمد**، *خطباتِ خلافت و منہجِ انقلابِ نبوی*، اور ڈاکٹر اسرار احمد اور *تنظیمِ اسلامی: ایک تعارف* (لاہور، کراچی: تنظیمِ اسلامی، شعبہ مطبوعات انجمن خدام القرآن، 1997ء–1999ء)، ص6–167۔